فرحان احمد اعوان*

سعادت حسن منٹو: حقیقت، جذبات، اور بغاوت کا آئینہ

SAADAT HASAN MANTO: A MIRROR OF REALITY, EMOTION, AND REBELLION

Abstract: *Saadat Hasan Manto had a deep love for nature and strongly advocated for freedom of expression. His short stories reflect such intense realism that it often becomes difficult to endure. Manto presented a form of romanticism that carried a touch of bitterness. He portrayed the realities of life in a unique manner, highlighting a natural and psychological dynamism. The contradictions of life, its various shades, and complexities were not only central to his works but were also a part of his own personality.*

Keywords: *Reality, romanticism, life, freedom, morality.*

تلخیص: سعادت حسن منٹو نے فطرت سے پیار کیا، اظہارِ آزادی پر زور دیا۔ آپ کے افسانوں میں حقیقت کی شدت اتنی ہوتی ہے کہ کوئی برداشت نہیں کر سکتا۔ منٹو نے رومانیت کا جو رُوپ دکھایا۔ اس میں تلخی کا عنصر تھا۔ زندگی کے حقائق کی عکاسی اور اس میں موجود ایک فطری و نفسیاتی تحرک کو منفرد انداز دیا۔ زندگی کے تضادات میں زندگی کے رُخ اور یہی سب کچھ منٹو کی اپنی شخصیت میں موجود تھا۔

کلیدی الفاظ: حقیقت، رومانیت، زندگی، آزادی، اخلاق۔

سعادت حسن منٹو اردو کے ایک ایسے افسانہ نگار جن کی زندگی کے کئی رُخ موجود تھے، اور حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ رُخ منٹو کے ساتھ ہمیشہ زندگی بھر رہا، حقیقت پسندی اور فطرت سے پیار آپ کے افسانوں کا خاص موضوع رہا، اِس کے ساتھ ساتھ انفرادیت اور جذباتیت کے پہلو بھی موجود ہیں۔ طوائف کی فطرت کو اِس لیے پسند کیا کہ منٹو کے نزدیک اِس میں منافقت نہیں ہوتی۔ زندگی کا فلسفہ اِس سے بہتر ہم کہیں اور نہیں سمجھ سکتے۔ شاید اِسی لیے منٹو نے اپنا کتبہ خود ہی لکھا تھا۔

> "یہاں سعادت حسن منٹو دفن ہے۔ اس کے سینے میں فنِ افسانہ نگاری کے سارے اسرار و رموز دفن ہیں۔۔۔ وہ اب بھی منوں مٹی کے نیچے سوچ رہا ہے کہ وہ بڑا افسانہ نگار ہے یا خدا۔"(۱)

سعادت حسن منٹو نے نفسیاتی الجھنوں کو بہت خوبی سے اپنی تحریروں میں پیش کیا۔ جنس میں نفسیاتی عنصر کس طرح انسان کو بکھیر کر رکھ دیتا ہے، منٹو نے اسے اپنے افسانوں کا خاص موضوع بنایا۔ سچ کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑا، چاہے کسی کو کتنا ہی برا لگے۔

* ایم فل، شعبہ اُردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیر پور۔

سعادت حسن منٹو نے کرداروں کے ذریعے جس طرح واقعات میں جذباتی رویے پیدا کیے، اُس نے سماج اخلاقی سوچ کو سوچنے پر مجبور کیا۔ افراد اس مرحلے پر حقیقت پسندانہ رویوں سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ کرب، لاچاری اور تنہائی یہ سب بے بسی کی ایک ایسی لہریں ہیں جو فرد کو پوری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ انسان کا شعور کبھی نہیں مرتا، سعادت حسن منٹو نے زندگی کی حقیقت کو برہنگی کی حد تک دکھایا ہے، زندگی کے دکھوں کو نفسیاتی شعور کے ساتھ اُجاگر کرنا، ہمت و حوصلہ مانگتا ہے، زندگی میں چھوٹے چھوٹے جُز بعض اوقات اہمیت اختیار کر جاتے ہیں۔ زندگی کے سُر سے اگر زندگی کا نغمہ نہ پھوٹے تو فرد کی روح جس کرب سے گزرتی ہے، اِس کا احساس صرف وہی ذات کر سکتی ہے۔ انسانی فطرت کو فطرت ہی ذریعے تلاش کرنا چاہئے، ہمارے معاشرے میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو زندگی کو ایک ایسے خواب سے تعبیر کرتے ہیں، جہاں صرف حقیقت کی پرچھائیاں ہی موجود ہوں۔ منٹو کو اِس بات کا ادراک تھا کہ زندگی کے تضادات میں زندگی کئی رنگ تبدیل کرتی ہے۔

ابو سعید قریشی لکھتے ہیں:

> ''لیکن بغاوت کی وہ چنگاری جو سعادت کے سینے میں سلگ رہی تھی، دبی نہ رہ سکی، باپ کی بے رُخی، بھائیوں کے بے اعتنائی اور عزیزوں کی ستم ظریفی سے جو شعلہ بھڑکا تھا، زمانے کے حوادث نے اُسے ہوا دی، معاشرے کے دیمک خوردہ شہتیروں کو چاٹنے لگے۔''(۲)

کیا ہم اور ہمارا معاشرہ جنس سے انکار کر سکتا ہے؟ یقیناً نہیں، لیکن پھر اِس بات پر گھبراتے کیوں ہیں؟ ہم جنس سے مراد صرف بدن ہی کیوں لیتے ہیں؟ منٹو نے جنس کو صرف ظاہری پہلو سے ہی نہیں دیکھا بلکہ اُس کے باطن میں بھی جھانکا۔ یوں اسے اس میں چھپا ہوا وہ کرب نظر آیا، جس کا تعلق خود ہم سے اور ہماری ذات سے ہوتا ہے۔ ایک احساس، باشعور اور زندگی کو سمجھنا اور سمجھانے والا دل منٹو میں ہی دھڑکتا رہتا تھا۔ سعادت حسن منٹو کی اصل کامیابی یہ رہی ہے کہ اُس نے اپنی شخصیت کے تعلق کو اپنی روح کے ساتھ جوڑے رکھا، اسی لیے اس افسانوں میں ہمیں بے چینی کی فضا نظر آتی ہے۔

سعادت حسن منٹو کی ادبی حیثیت کا تعلق ہم چاہے کسی بھی حوالے سے کرنا پسند کریں لیکن ہمیں محمد حسن عسکری کے یہ الفاظ ضرور پیشِ نظر رکھنے چاہیے کہ:

> ''منٹو نے جو کنواں کھودا تھا، وہ ٹیڑھا بھینگا سہی، اور اِس میں سے پانی نکلا وہ گدلا یا کھاری سہی، مگر دو باتیں ایسی ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ایک تو یہ کہ منٹو نے کنواں کھودا ضرور، دوسرے یہ کہ اس میں سے پانی نکالا۔ ذرا گنئیے تو سہی کہ اردو کے کتنے ادیبوں کے متعلق یہ دونوں باتیں کہی جا سکتی ہیں۔''(۳)

ہم جب منٹو کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے بعض افسانے بلندیوں کو چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں تو بعض اتنے پست بھی تخلیق بھی ہوئے کہ جو زمین کے پاتال کو چھوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں، لیکن اِس نشیب و فراز میں جذبات و احساسات کو منٹو نے کبھی زندگی کی حرارت کو محسوس کرایا، منٹو کی فکر اِس بات کی مخالفت کرتی تھی کہ ہمیں اپنے جذبات کو، حسرتوں کو، ارمانوں کو موت کے حوالے کر دینا چاہیے، سعادت حسن منٹو نے زندگی کو اس کی روح کی گہرائیوں تک میں محسوس کیا، منٹو کی نظروں نے بے خوف اور بے باکی سے زندگی کے حقائق کا سامنا کیا، اِن کے خیال میں اِس طرح کا عمل فرد کو سکون اور بے فکر کر دیتا ہے۔ ادب زندگی کا آئینہ ہے اور سعادت حسن منٹو نے ہمارے سماج کی وہ شکل ہمارے سامنے پیش کی کہ جسے دیکھ کر انسان کی انسانیت پر سے اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔ سعادت حسن منٹو نے ہمیشہ استحصالی قوتوں کی شدید مخالفت کی، منٹو کی شخصیت اردو افسانوی دنیا میں سے زیادہ نڈر، بے باک اور آزاد پسند کے طور پر سامنے آئی۔ تبدیل ہوتا ہوا زمانے کے اثرات کو سب سے زیادہ منٹو نے ہی قبول کیے۔ اِسی وجہ سے سعادت حسن منٹو نے معاشی و سیاسی ناہمواریوں کو بڑی شدت سے قبول کیا، معاشرے میں پائی جانے والی نفسیاتی و جذباتی کیفیت کو ظاہر کرنے میں منٹو کو کمال حاصل تھا۔ اردو ادب میں بقول روشن ندیم:

> ”یہ اردو ادب کے ایک عظیم ادیب کی موت تھی، جس نے اسٹیٹ اور سوسائٹی کے خلاف بغاوت کا پرچم تن تنہا اُٹھائے رکھا بطور ایک باغی ادیب ایسا انداز زندگی اردو ادب میں اپنی مثال آپ ہے۔“(۴)

سعادت حسن منٹو کی انفرادیت اور مقام اِس لیے بھی منفرد اہمیت رکھتا ہے کہ سعادت حسن منٹو نے زندگی کی اُس حقیقت کو ہمارے سامنے پیش کیا، کہ جس کی طرف ہم دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اِسی لیے منٹو ہمیشہ سماج سے بغاوت پر آمادہ نظر آتا تھا، زندگی کے جبر کو بہت شدت سے محسوس کیا، زندگی میں جو جگہ جگہ حقیقتیں سامنے آتیں ہیں، اُن کے پیکر ہمیں اُبھرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ہم یہ بات جانتے ہیں کہ معاشرہ ہمیشہ تضادات کا شکار رہتا ہے، منٹو کی حقیقت پسندی کا سب سے نمایاں رنگ اُس کرب کا ہے جس کا تعلق خود ہماری ذات سے ہے۔ اذیت کا یہ رنگ سیاسی، سماجی، معاشرتی، معاشی غرض زندگی کے ہر رُخ پر نظر آتا ہے۔ جب کوئی فرد اِس کرب کو اپنی روح تک میں محسوس کرے تو ایسا فرد نفسیاتی کیفیات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ منٹو نے ایسے کرداروں کو اپنے افسانوں میں بہت خوبی سے پیش کیا۔ استحصالی قوتوں نے جو گھناؤنے زخم معاشرے پر لگائے، منٹو نے اِس پر مرہم رکھا، لیکن اِس میں کسی حد تک بے رحمی کا عنصر بھی شامل تھا۔ منٹو کے نزدیک سچائی جہاں سے ملے، اُسے حاصل کر لینی چاہیے، منٹو نے ساری زندگی اِسی بات کی کوشش کی کہ احساس کو چاہے وہ معمولی سا ہی کیوں نہ ہو اُسے کبھی بھی دبانے کی یا چھپانے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ یہ چھوٹے چھوٹے جُز زندگی کا توازن مقرر کرتے ہیں۔ منٹو رقم طراز ہے:

”ایک جائزہ خواہش کو مارنا بہت بڑی موت ہے، انسان کو مارنا کچھ نہیں، اُس کی فطرت کو ہلاک کرنا بہت بڑا ظلم ہے۔“(۵)

جنسی موضوعات کے اعتبار سے سعادت حسن منٹو کو یہ انفرادیت حاصل تھی کہ اُس نے جسم کو نہیں بلکہ جسم میں چھپی ہوئی اُس روح کو دیکھا، کو جنس کے نام پر کرب میں مبتلا رہتی ہے، تقسیم ہند ایک ایسا واقعہ ہے کہ جس نے نسلوں کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ ساری دنیا پر وہ انمٹ نقوش چھوڑے کہ جس کے اثرات ہم آج بھی محسوس کرتے ہیں، اِسی طرح افسانہ ”بابو گوپی نات“ کہ جس میں ایک طوائف کے اندر چھپی ہوئی اُس عورت کو ظاہر کیا گیا ہے جہاں انسانیت چھپی ہوئی بیٹھی ہوتی ہے۔ اچھائی اور برائی کا تصور مختلف معاشروں میں مختلف رہا ہے، لیکن بعض دفعہ، ایک ہی معاشرے میں یہ تصور وقت کے لحاظ سے بدل بھی جاتا ہے۔ انسانی عمر انسانی ذہن پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے، خاص طور پر جہاں جنسی جذبہ کارفرما ہو۔ جنس کی بنیاد نفسیاتی عمل پر ہے، آپ کا افسانہ ”بلاؤز“ احساس کی وہ تصور پیش کرتا ہے کہ جہاں ہمارا معاشرہ آج اس مسئلہ سے بھرا پڑا ہے۔ ایک گھٹن زدہ معاشرے میں جنسی آسودگی کی محسوسات کو جسمانی لحاظ سے اپنے اوپر حاوی کرنا، کون سی نفسیاتی پیچیدگیوں کو پیدا کرتا ہے، سعادت حسن منٹو نے اسے بہت خوبی سے اس افسانہ میں پیش کیا۔ سعادت حسن منٹو کی حقیقت پسندی میں، ایک ایسا رُخ ہمارے سامنے آیا۔ جس کی طرف ہم دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے، یہ ایک ایسی سچائی ہے، جو زندگی کا رنگ ہمیں سمجھاتی ہے۔ انسان کی انفرادیت پر منٹو نے اِسی لیے زور دیا کہ اِس کا عمل اِسی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ جب زندگی مسائل کا شکار ہو جائے تو پھر اظہارِ آزادی مشکل ہو جاتا ہے۔ لیکن منٹو نے اسے بہت خوبی سے نبھایا، منٹو چاہتے تھے کہ انسان اپنے اندر ایسے حالات کا سامنا کرنے کی ہمت پیدا کرلے۔ اپنے کرداروں میں نفسی کیفیات کو اُجاگر کیا اور انہیں سماج اور زندگی کا حصہ قرار دیا۔ جب ہم حقیقت سے منہ موڑتے ہیں تو تضادات اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ منٹو کا ہر افسانہ جذباتی اور نفسیاتی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے حقیقت پسندی کو بہت وسعت دی۔ ایک فکری و نفسیاتی تحرک کو منفرد انداز دیا۔ رومانیت منٹو کے فن کا ایک روشن پہلو ہے، اِس کے ساتھ ساتھ منٹو نے رومانیت میں اپنی ایک منفرد راہ نکالی، اور آج تک اِس راہ پر منٹو اکیلا ہی ہے، اِس حقیقت کا ادراک تھا کہ رومانیت میں حقیقت کی روح اس وقت اپنا رنگ دکھاتی ہے، جب تک وہ آزاد ہو۔

”اس بات سے منٹو واقف تھا کہ انسانی نفسیات کی تہذیب، ظاہر داری،، جھوٹ اور پارسائی کے سیاہ لبادوں کو اُتار کر انہیں ان کی اصل شکل دکھائی جائے۔ اور ساتھ اُن کی ذہنی تربیت اس انداز میں ہو کہ وہ خود سے نہ صرف آگاہی حاصل کرسکیں، بلکہ وہ اپنی اصلی شخصیت اور جذبات پر پردہ ڈالنے کی کوشش بھی ترک کردیں۔ تاکہ اُن کے جذبات بگڑ کر تشدد یا کسی غیر فطری شکل میں نمودار نہ ہو۔“(۶)

آپ کے افسانے "ہتک"، "بو"، "دھواں"، "ٹھنڈا گوشت"، ان افسانوں میں زندگی کی اور فطرت کی تہیں کھلتی ہیں، ان افسانوں میں سنسنی خیزی کا تصور ضرور ملتا ہے، اِس کے ساتھ ساتھ ماحول سے مطابقت کو بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ سعادت حسن منٹو نے اپنے افسانوں میں رومانیت کے جو رنگ پیش کیے۔ اِن میں نمایاں ترین جذباتیت کی وہ لہر ہے کہ جس میں فرد صرف خود ہی اپنی زندگی کی تکمیل کرتا ہے۔

کسی بھی معاشرے کے رستے ہوئے ناسوروں کو منٹو اپنا یہ فرض سمجھتا تھا کہ اِن کو بے نقاب ہونا چاہئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا شخص ہمارے سماج کے لئے کس حد تک قابل ہو گا۔ اردو افسانوی دنیا میں سعادت حسن منٹو نے ایک تحریک کا کردار ادا کیا، ایک ایسی تحریک جس نے ذہنوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا۔ جس نے سماج کے ہر اُس جُزپر روشنی ڈالی، جہاں پر استحصال، ستم رسیدہ اور بے بسی و لاچاری میں ڈوبا ہوا انسان وہ احساس کا جذبہ پیدا کرے، جو کہیں مر گیا تھا۔ سسکتی ہوئی انسانیت کی آبرو کی بحالی وفکر و نظر زوایہ کی تخلیق کی۔ ایک نیا ملک وجود میں آیا تو ایک نئے معاشرے کی تشکیل شروع ہو گئی۔ ایک نئی زندگی کچھ نئی اُمیدیں اور راہیں دکھانی لگی، اِس مرحلے میں کچھ قوتیں جو پرانی سوچ کی حامل تھیں، نئی اور روشن راہوں کی مخالفت کرنے لگی، ایسی سوچ صرف یہ چاہتی تھی کہ انسان کا ذہن صرف روٹی تک محدود ہو کر رہ جائے، منٹو کے نزدیک یہ صورت حال نہ قابل قبول تھی، منٹو یہ چاہتا تھا کہ انسان اُس دائرے کو توڑ دے جس نے اُسے آزاد پسندی کی لہر سے دور رکھا ہے، جس میں کرب کا احساس اپنی پوری شدت کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ آپ اپنے افسانے "نیا قانون" میں لکھتے ہیں:

> "یہ کسی پیر کی بد دعا کا نتیجہ ہے کہ آئے دن ہندوؤں اور مسلمانوں میں چاقو، چھریاں چلتے رہتے تھے اور میں نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ اکبر بادشاہ نے کسی درویش کا دل دکھایا تھا اور اس درویش نے جل کر یہ دعا دی تھی، جا تیرے ہندوستان میں ہمیشہ فساد پر فساد ہوتے رہے گے، اور دیکھ لو جب سے اکبر بادشاہ کا راج ختم ہوا ہے۔ ہندوستان میں فساد ہوتے رہتے ہیں۔"

سعادت حسن منٹو نے احساسات کو جو کر دادیئے، وہ "نیا قانون"، "ہتک" وغیرہ میں سماجی شعور کے ساتھ بیان کیں ہیں۔ یہاں کہیں غلامی سے نفرت تو استحصالی قوتوں کے خلاف بغاوت کے رنگ نظر آتے ہیں۔ جبری خواہشوں نے معاشرے کو تھوڑ پھوڑ کر رکھ دیا، شعور کو نفسیات کے رنگ میں سمجھا۔ اپنے آپ کو پُر سکون رکھنا، کہ روح کی گہرائیوں تک میں وہ جذبے بیدار رکھنا، جہاں انسان خود کو گناہ کے بوجھ تلے محسوس نہ کرے۔

سعادت حسن منٹو نے انسانی حسرتوں کا جس طرح خون ہوتے دیکھا، اُس نے اُسے بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ منٹو نے فطری خواہش اور فطرت کو ہم آہنگ کیا۔ سعادت حسن منٹو نے سماجی حقائق کو پہچانتے ہوئے اُس خوف بغاوت کی جو انسانوں کے اندر بسا ہوا ہوتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ سید علمدار حسین بخاری، سعادت حسن منٹو، شخصیت اور فن صفحہ ۱۱۵۔
۲۔ ابو سعید قریشی، رحم دل، دہشت پسند، مرتب محمد طفیل، نقوش، منٹو نمبر، ص ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۳۔
۳۔ محمد حسن عسکری، منٹو کا مقام، مرتب محمد طفیل، نقوش، منٹو نمبر، ص ۲۷۲۔
۴۔ سید عامر سہیل، انگارے، روشن ندیم، منٹو کی سوانح، تھوڑا نیا تھوڑا پرانا، ۲۰۰۵ء، ص ۸۱۔
۵۔ ممتاز شیریں، منٹو نوری نہ ناری، مرتبہ آصف فرخی، یہ خاکی اپنی فطرت میں، ۱۹۸۵ء، ص ۴۱۔
۶۔ انور قاضی، ڈاکٹر، اردو ادب کے افسانوی اسالیب، اردو افسانہ نگاری کا بڑا نام "منٹو"، ۲۰۰۷ء، ہائیر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد، ص ۲۵۴۔

کتابیات:

۱۔ ابو سعید قریشی، "رحم دل، دہشت پسند"، مرتب محمد طفیل، نقوش، منٹو نمبر۔
۲۔ انور قاضی، ڈاکٹر، اردو ادب کے *افسانوی اسالیب: اردو افسانہ نگاری کا بڑا نام "منٹو"*، ہائیر ایجوکیشن کمیشن، اسلام آباد، ۲۰۰۷ء۔
۳۔ سید عامر سہیل، "انگارے"، روشن ندیم، *منٹو کی سوانح: تھوڑا نیا تھوڑا پرانا*، ۲۰۰۵ء۔
۴۔ سید علمدار حسین بخاری، *سعادت حسن منٹو: شخصیت اور فن*۔
۵۔ محمد حسن عسکری، "منٹو کا مقام"، مرتب محمد طفیل، نقوش، منٹو نمبر۔
۶۔ ممتاز شیریں، "منٹو نوری نہ ناری"، مرتبہ آصف فرخی، *یہ خاکی اپنی فطرت میں*، ۱۹۸۵ء۔

☆☆☆☆☆